© rasailojaraid.com

ڈاکٹر یوسف حسین خاں

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی یادیں

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد ہی حیدرآباد تشریف لے آئے تھے اور صدر شعبۂ فلسفہ کی حیثیت سے انہوں نے اپنی قابلیت اور ذہانت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا تھا۔

میرا تقرر عثمانیہ یونیورسٹی میں ستمبر ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ حیدرآباد جانے کے چند روز بعد ہی مولوی عبدالحق صاحب کے یہاں خلیفہ صاحب سے پہلی مرتبہ ملنے کا موقع ملا۔ وہ میرے بڑے بھائی عابد حسین خاں صاحب مرحوم کے علیگڑھ میں ہم جماعت رہ چکے تھے اس لیے مجھ سے بڑی شفقت سے ملے اور یہ شفقت ان کی آخر تک برقرار رہی۔ میں بھی ان کا ادب کرتا تھا لیکن خلیفہ صاحب کا مزاج کچھ ایسا تھا کہ وہ بڑے چھوٹے کا زیادہ لحاظ نہیں کرتے تھے۔ بذلہ سنجی کی ترنگ میں وہ کسی کو نہیں چھوڑتے تھے اور خود اپنے اوپر بھی وہ بعض اوقات پھبتی کس دیتے تھے۔ جس محفل میں بیٹھتے تھے سب کی توجہ کا مرکز بن جاتے تھے۔ شگفتہ مزاجی کا یہ حال تھا کہ اگر انہیں مستقل باغ و بہار کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

میں خلیفہ صاحب کو اپنی پیڑھی کے ذہین ترین افراد میں شمار کرتا ہوں۔ ان کی بذلہ سنجی دراصل ان کی بے پناہ ذہانت اور جودت طبع کی ہی رہین منت تھی۔ ٹھس قسم کا آدمی چاہے وہ کتنا ٹھوس ہو بذلہ سنج نہیں ہو سکتا۔ پھر خلیفہ صاحب میں ایک بات یہ تھی کہ وہ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ سب نے دیکھا ہے کہ جب ڈاکٹر رادھا کرشنن اور ان کے دوسرے ساتھی یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کے سلسلے میں حیدرآباد آئے تو خلیفہ صاحب کی بذلہ سنجی کا ان اصحاب کے ساتھ بھی وہی انداز تھا جس انداز کے ہم لوگ عادی تھے۔ ایک زمانے میں سر اکبر حیدری کا حیدرآباد میں طوطی بولتا تھا۔ جب کبھی وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے اسٹاف کلب میں آتے تو خلیفہ صاحب ان سے اسی طرح بے تکلفی سے گفتگو کرتے جس طرح وہ دوسروں سے معمولاً کیا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ دوسروں کی طرح وہ احتیاط سے بات کریں اور اونچ نیچ دیکھ کر اور ناپ تول کر کے۔ اسی بے تکلفی کی وجہ سے حیدرآباد کے نواب لوگوں میں انہیں کبھی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ فلسفے کے پروفیسر اور محقق کو بڑا ہی سنجیدہ اور نہایت ہی خشک انسان ہونا چاہیے انہیں خلیفہ صاحب سے مل کر مایوسی ہوتی تھی۔ ان بے تخیل اصحاب کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ فلسفہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوش مذاقی ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ فلسفے کے محقق ہونے کے علاوہ خلیفہ صاحب کو ادب عالیہ کا بھی ذوق تھا۔ انگریزی، فرنچ اور جرمن ادب پر ان کی بڑی وسیع نظر تھی۔ فرنچ ادیبوں کے متعلق ان سے اکثر گفتگو رہا کرتی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ ان کی رائے ادبی تخلیقات کے متعلق کس قدر متوازن اور صائب تھی۔

جس زمانے میں عثمانیہ یونیورسٹی کا اسٹاف کلب نوبت پہاڑ کے دامن میں واقع تھا تو شام کو ٹینس کے بعد بیٹھک ہوا کرتی تھی۔ کبھی علمی اور ادبی گفتگو ہوتی کبھی ملکی اور مقامی سیاست پر تنقید ہوتی اور کبھی پھکڑ چلتا، خالص پھکڑ جس میں کسی دوسرے محرک کی آمیزش نہ ہوتی۔ ان محفلوں میں خلیفہ صاحب کی ذات کو مرکزی حیثیت حاصل تھی خلیفہ صاحب کا خطاب اکثر ڈاکٹر عبدالحق مرحوم سے رہتا جو عربی کے عثمانیہ یونیورسٹی میں صدر شعبہ تھے اور نہایت فاضل شخص تھے۔ وہ بھی پھکڑ میں خلیفہ صاحب سے کم نہ تھے۔ ان کا رنگ گہرا سیاہ تھا ایسا سیاہ کہ جس میں کچھ اودا پن آجاتا ہے۔ خلیفہ صاحب بڑے ہی سرخ سفید انسان تھے۔ کلب والے دونوں کو بلیک اینڈ وہائٹ کہا کرتے تھے۔ رنگ روپ میں دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے لیکن پھکڑ کی حد تک دونوں کی شخصیتوں میں اتحاد تھا۔ جب ان دونوں میں نوک جھونک ہوتی تو کلب کے دوسرے ممبر تماشہ بینوں کی طرح لطف اندوز ہوتے اور خاموش رہتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ معاملہ برابری کا ہے۔ ممکن ہے کبھی ایسا ہو جائے کہ ایک سیر تو دوسرا سوا سیر۔ اسٹاف کلب جب نوبت پہاڑ سے اٹھ کر پہلے حیدر گوڑہ اور پھر اڈکمیٹ چلا گیا تو یہ محفلیں منتشر ہو گئیں۔ ان محفلوں کی یاد عرصے تک لوگوں کے دلوں میں رہی۔ کئی مرتبہ کوشش کی گئی کہ پرانا نقشہ جمے لیکن نہیں جما۔ ملک کی تقسیم کے بعد تو یہ انتشار مکمل ہو گیا۔ ان محفلوں کی یاد اب تک دلوں کو ستی رہی ہے

خلیفہ صاحب کی بذلہ سنجی میں بلا کی اپج اور جودت تھی۔ ان کے مزاج میں کبھی تلخی نہیں ہوتی تھی۔ ان کا مذاق اکثر پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی سے بھی رہتا تھا جو ان کے پرانے ساتھی تھے۔ دونوں نے ایک ہی دن عثمانیہ یونیورسٹی کے اسٹاف میں شرکت کی۔ خلیفہ صاحب کہا کرتے تھے کہ دونوں کی شادی بھی ایک ہی تاریخ میں ہوئی۔ مجھے علم نہیں کہ مذاق میں کہتے تھے یا یہ امر واقعہ تھا۔ پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی بعض دوسرے اصحاب کے مذاق کی تاب نہ لا کر اکثر اوقات غصے ہو جاتے اور اٹھ کر چلے جاتے۔ لیکن خلیفہ صاحب کے مذاق سے وہ بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔ وہی باتیں جو خلیفہ صاحب کہتے تھے اگر کوئی دوسرا کہتا تو پھر اس کی خیر نہ ہوتی۔ لیکن خلیفہ صاحب کی بات کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ ان سے کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ میں نے کئی مرتبہ پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "بھئی خلیفہ کی بات میں ڈنک نہیں ہوتا"۔ پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی سے گزشتہ مرتبہ جب علیگڑھ میں ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ خلیفہ صاحب کا جب ذکر آیا تو ان کی آنکھیں اشک آلودہ ہو گئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسٹاف کلب کی محفلوں کے علاوہ بھی مجھے خلیفہ صاحب کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں حیدر گوڑہ میں ان کے پڑوس میں رہتا تھا۔ چھٹی کے روز میں اکثر ان کے یہاں جاتا اور کبھی وہ بھی میرے یہاں تشریف لاتے۔ یہاں ان کی گفتگو کا انداز بالکل جداگانہ ہوتا۔ شگفتہ مزاجی تو ان کی فطرت میں تھی اور فلسفیانہ یبوست کی ان سے توقع کسی حالت میں بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ جس طرح بذلہ سنجی میں وہ بات میں بات نکالتے اسی طرح جب علمی اور فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کرتے تو معنی آفرینی کی عجیب عجیب صورتیں نظر آتیں۔ ہر بات میں ان کی غیر معمولی خداداد ذہانت کا اظہار ہوتا۔ دوسروں کے چبے چبائے نوالوں سے احتراز کرتے اور جو بات کہتے اس میں ذاتی اپج اور اجتہاد کا رنگ ہوتا۔ ان کی نظر مغربی اور اسلامی فلسفے پر بہت وسیع تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے دونوں کا تقابلی مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا ہے۔ فلسفے اور ادب پر انہوں نے بہت پڑھا تھا اور ان سے متعلق کوئی ایسا دقیق سے دقیق مسئلہ نہ تھا جس پر وہ رائے نہ رکھتے ہوں۔ پھر ان کی یہ رائے محض اوپری معلومات پر مبنی نہ تھی جیسے کہ اکثر لوگوں کی ہوا کرتی ہے وہ مسائل کی تہ تک پہنچتے اور گفتگو کے دوران میں اپنی ذہانت سے بہت سی ایسی ضمنی باتوں کی نشاندہی کرتے جن پر عموماً لوگوں کی نظر نہیں پڑتی۔ چونکہ فلسفہ و ادب سے مجھے بھی شغف تھا اس لیے یہ گفتگو میں بعض اوقات گھنٹوں جاری رہتیں اور پھر بھی کم از کم مجھے سیری نہ ہوتی۔ چونکہ مجھ پر شفقت فرماتے تھے اس لیے کہتے تھے "تمہیں آپ کو تاریخ کے شعبے کے بجائے فلسفے کے شعبے میں ہونا چاہئیے" یہ بات کئی مرتبہ انہوں نے مجھ سے کہی جسے میں نے ہمیشہ ان کی شفقت پر محمول کیا۔

فلسفۂ اسلام پر تحقیق کے سلسلے میں عربی پڑھنے کا شوق ہوا تو مولانا مامون کو عرصے تک اپنے مکان پر رکھا تاکہ ان سے عربی پڑھیں اور عربی زبان میں گفتگو کریں۔ خود مولانا مامون نے مجھ سے کہا کہ خلیفہ صاحب اتنی جلد عربی سیکھ رہے ہیں کہ شاید کوئی دوسرا ہندوستانی نہیں سیکھ سکے گا۔ انہوں نے عربی زبان میں اتنی استعداد پیدا کر لی تھی کہ وہ بلا تکلف عربی کتابیں پڑھ اور سمجھ سکتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان جانے کے بعد غالباً انہوں نے اپنی عربی کی استعداد اور زیادہ بڑھا لی تھی۔

جب میں خلیفہ صاحب سے ان کے مکان پر ملا کرتا تھا تو اکثر وہ مجھے اپنے کمرہ استراحت میں بلا لیا کرتے تھے ان کا بیڈ روم اور لائبریری ایک ہی جگہ تھی۔ ان کے پاس کئی فائل تھے جن میں انہوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کے متعلق نوٹس جمع کئے تھے۔ بعض اوقات مجھے یہ نوٹس سناتے اور ان پر گفتگو رہتی۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ میں ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ان نوٹس کو تہذیب و ترتیب کے بعد شائع کیوں نہیں کر دیتے کہتے کہ ہاں اس کا بھی وقت آئے گا۔ مجھے یہ دیکھ کر بیحد مسرت ہوئی کہ پاکستان جانے کے بعد ان کی تخلیقی صلاحیت جو حیدرآباد میں کچھ گھٹ کے رہ گئی، پوری طرح بروئے کار آئی اور انہوں نے دس بارہ سال کے عرصے میں نہایت اعلیٰ پایہ کی متعدد تصانیف شائع کیں جو فلسفہ تمدن اور شعر و ادب دونوں پر حاوی ہیں۔ پھر اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی ثقافت کا جو ادارہ قائم کیا وہ بھی ان کی زندہ یادگار ہے۔ جس طرح اب تک یہ ادارہ اسلامی علوم و فنون کی خدمت کرتا رہا ہے اسی طرح دعا ہے کہ آئندہ بھی یہ خدمت انجام دیتا رہے یہ ادارہ خلیفہ صاحب کا بہترین عطیہ ہے جو انہوں نے اپنی مملکت پاکستان کی نذر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com